Vol.4 No.3 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

تانیثیت: سماجی و ثقافتی پہلو

FEMINISM: SOCIAL & CULTURAL ASPECT

صائمہ فردوس[1]، ڈاکٹر عطاء الرحمان میو[2]

Abstract:

Feminism is a movement that seeks to bring to light various issues of women's social life. The profound effects of this movement or ideology on literature can be felt. From Sir Syed Ahmad Khan to Allama Rashid Al-Khairi most of the women's domestic education, weak faith and veil issues were discussed under the influence of feminism, women have also presented creations with such skills that their social and cultural attitudes have come to the fore. Female Writers have sadly portrayed the supremacy and exploitation of masculine society through the eyes of a woman. They also raised social awareness among women by exposing the social and cultural characteristics of the country. They valued women in their own way in the context of social status. These women demanded education and freedom for themselves and raised their voices against the injustices done to women in the society. Their writing also shows feminine resistance and protest alone with cultural decline, the breakdown of values, the problems of domestic and marital life. Ada Jafri, Kishwar Naheed, Fahmida Riaz, Parveen Shakir, Noshi Gilani, Humaira Rehman have feminine expression. In their poetry women's emotions, depiction of social conditions and their psychological response is a new experience in Urdu literature. This tradition of feminine poetry reflects our cultural tendencies.

Keywords: *Feminism, Freedom of thought, Destroyed, Embroidery, Eternal life, Spiritual Anxiety, Epic, Regression*.

آج کا انسان جس ترقی یافتہ دور میں سانس لے رہا ہے اس کے پیچھے معاشی، سیاسی، ذہنی اور تہذیبی جدوجہد کی ایک لامتناہی داستان پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخ کے اس دورانیے میں کتنی تہذیبیں اور قومیں وجود میں آکر فنا ہو گئیں۔ کتنی تحریکیں اور کتنے نظریات منظر عام پر آئے اور اپنے انجام کو پہنچے۔ دورِ جدید میں تانیثیت کے حوالے سے تنقیدی مباحث روز افزوں ہیں۔ تانیثیت ایک ایسی مثبت سوچ، مدبرانہ تجربہ اور دانشورانہ اسلوب کی جانب متوجہ کرتی ہے جس کے اہداف میں خواتین کے لیے معاشرے میں ترقی کے منصفانہ اور یکساں مواقع کی فراہمی کو یقینی بنانے کا واضح لائحہ عمل متعین کیا گیا ہو۔ تانیثیت نے حق و انصاف کی بالادستی، حریتِ فکر، آزادی اظہار اور معاشرے کو ہر قسم کے استحصال سے پاک کرنے پر اصرار کیا۔ ایک فلاحی معاشرے میں چونکہ ہر فرد کو ملت کے مقدر کے ستارے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ عورت بھی تصور اور حقیقت کے مابین مختلف تہذیبوں، معاشروں اور روایات میں سفر کرتی ہوئی آج کے دور میں داخل ہو کر اپنی بقا کے لیے تگ و دو کر رہی ہے۔ آج خواتین تیشہ حرف سے فصیلِ جبر منہدم کرنے کی مقدور بھر سعی کرتی نظر آتی ہیں۔ ایسے تمام تار عنکبوت جو کہ خواتین کی خوشحالی اور ترقی کے افق کو گہنا رہے ہیں انہیں نیست و نابود کرنے کا عزم لیے خواتین اپنے ضمیر کی للکار سے جبر کے ایوانوں پر لرزہ طاری کر دینے کی صلاحیت سے متمتع ہیں۔

جب تانیثیت کے حوالے سے بات کی جائے تو عورت کی سماجی و سیاسی حیثیت جاننے کے لیے مختلف تاریخی ادوار میں سماج اور ان کی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ دراصل سماج مجموعہ ہے ان افراد کا جو مشترکہ ثقافت رکھتے ہیں۔ کلچر ان تمام خصوصیات کا مرکب ہوتا ہے جو کسی مخصوص قوم، معاشرے یا گروہ کے افراد میں مشترک ہوتی ہیں۔ یہ مرکب ان افراد کے عقائد، اقدار، احساسات، قوانین، آداب، رسوم و رواج، ظاہری رویوں، خاندان، پیشے، زبان اور علوم و فنون پر مشتمل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سید عابد حسین فرماتے ہیں:

> "تہذیب نام ہے اقدار کے ہم آہنگ شعور کا جو ایک انسانی جماعت رکھتی ہے۔ جسے وہ اپنے اجتماعی ادارات میں ایک معروضی شکل دیتی ہے۔ جسے افراد اپنے جذبات و رجحانات اپنے سبھاؤ اور برتاؤ میں اور ان اثرات میں ظاہر کرتے ہیں جو مادی اشیاء پر ڈالتے ہیں۔"(۱)

---

[1] لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

[2] ایسوسی ایٹ پروفیسر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تاریخی حوالے سے عورت کا سب سے پہلا تصور ناہید، زہرہ، وینس اور موک سے متعلقہ دیوی عشتار کا ہے۔ جو یہودیت، نصرانیت اور مختلف اقوام کے رسم ورواج، علم وادب اور اخلاق وعقائد پر صدیوں اثر انداز رہی۔ عورت نے فطرت کے عمیق مطالعہ سے زراعت کا ہنر ایجاد کیا اور تمدن کو بڑے انقلاب سے دوچار کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سینا پرونا، سوت کاٹ کر کپڑا تیار کرنا، ٹوکری سازی، برتن سازی، کشیدہ کاری، دستکاری عورت سے منسوب ہیں۔ پیدائش، پرورش اور افزائش زراعت میں ہو یا نسل انسانی میں عورت کا کارنامہ ہے۔ اس لیے ابتدا میں مصر، عراق، یونان اور وادی سندھ میں مادر سری یا اموی نظام ہی رائج ہوا۔ رفتہ رفتہ جب مرد برسر اقتدار آئے تو انہوں نے عورت کی پس ماندگی کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے عورت کے کردار کو سطحی اور کمزور قرار دے کر اُسے ہر قسم کی مجلسی زندگی سے دور کر دیا۔ ہندوستان میں بھی کم سن لڑکیوں کے شادی اور ستی کو رواج دیا۔

یورپ میں عورت کی یہ حالت صنعتی دور کے آنے تک رہی۔ سائنسی اور ذہنی ترقی کے ساتھ عورت کے سماجی رویے میں تبدیلی واقع ہونا شروع ہوئی۔ جب صنعتی انقلاب آیا اس نے گھریلو زندگی کے پرخچے اڑا دیے۔ عورتیں روزی کمانے کے لیے گھروں سے باہر نکلیں اور بد اخلاق ماحول کا شکار ہونے لگیں۔ زندگی کے ہر میدان میں اس کا استحصال کیا جاتا رہا۔ ہمارے سماج میں آج بھی یہ فلسفہ کام آتا ہے کہ عورت کی فطرت میں خدمت شامل ہے۔ ڈاکٹر اختر لکھتے ہیں:

> "یہ آج کی بات نہیں بلکہ صدیوں سے اسے ہر ممکن ذریعے سے یہ باور کرایا جارہا ہے کہ تیری فلاح وبہبود، تیری عزت ووقار اور تیری نسوانیت کی تکمیل مرد کی پیدا کردہ صورتحال کو بخوشی قبول کر لینے ہی میں ہے۔ مرد کی پسندیدگی تیری معراج ہے اور اسے سے بڑھ کر تجھے بھلا اور کیا چاہیے کہ تیرا مرد تجھ سے راضی ہے، اسی لیے اسے تسلیم ورضا کا خوگر بنایا جاتا ہے۔"(۲)

عورت کی داخلی زندگی کی مختلف کیفیات، سماجی زندگی کے مختلف روپ، معاشرتی وثقافتی زندگی کے مختلف رنگ ہمیشہ سے اصناف ادب کا موضوع رہے ہیں۔ قدیم داستانوں میں بھی سماجی وثقافتی زندگی کی تصویر ملتی ہے۔ اگر انقلابات زمانہ اور ان کے اثرات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حکمرانوں اور شہزادے شہزادیوں کی عیش کوشیاں اس جانب اشارہ کرتی ہیں کہ سلاطین فرائض سے کس قدر غافل تھے اور عورت صرف جنسی لذت کا ذریعہ اور دل بہلانے کا سامان تھی۔ اردو کی قدیم ادبی کتابوں میں ملاوجہی کی 'سب رس' کو زبان اور نفس مضمون کے اعتبار سے خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ ملاوجہی نے بھی مقامی معاشرت کو مقدم جانا جن سے اُن کے سماجی وثقافتی شعور کی عکاسی ہوتی ہے۔ بعد ازاں جب داستانوں کا زمانہ ختم ہوا ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں انیسویں صدی کی سماجی زندگی اور اس زمانے کے مسلمان گھرانوں کی حقیقت شعارانہ عکاسی کی۔ اسی طرح سرشار کے ہاں اودھ کی تہذیب وثقافت ہے۔ علاوہ ازیں مرزا رسوا کا ناول امراؤ جان ادا جب منظر عام پر آیا اس میں جس طرح معاشرے کی تصویر کشی کی گئی اسے حیاتِ جاوداں حاصل ہوگئی۔ صغریٰ مہدی اس حوالے سے فرماتی ہیں:

> "رسوا کو یہ احساس تھا کہ اس معاشرے میں عورت کی حیثیت میں بھی تبدیلی آنا ضروری ہے وہ اپنے ناول "اختری بیگم" میں ایک عورت کو ملازمت کرتے بھی دکھاتے ہیں۔ وہ اپنا اور اپنی ماں کا بار خود اٹھاتی ہے۔ "شریف زادہ" میں بھی انہوں نے اپنے ہیرو کی بیوی کو سلائی کر کے مالی کے طور پر میاں کا ہاتھ بٹاتے دکھایا ہے۔ رسوا کے یہاں دھندلا سا ہی مگر عورت کا وہ تصور ابھرتا ہے جس میں وہ زندگی کی جدوجہد میں مرد کے برابر کی شریک ہے۔" (۳)

اردو کے ابتدائی ناول نگاروں میں جن مصنفین نے عورتوں کی سماجی حیثیت کو موضوع بنایا ہے ان میں سب سے اہم نام راشد الخیری کا ہے۔ جنہوں نے سماج کی دبی کچلی عورتوں اور مصیبت زدہ عورتوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا اور ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو دردناک انداز میں بیان کیا۔ ان کے ناول "نوحہ زندگی" سے اقتباس ملاحظہ کیجیے:

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

"یہ اس قوم کی کیفیت ہے جس نے خاک عرب سے اٹھنے والے پیغمبر کی صدا پر لبیک کہا اور دعویٰ کیا کہ اسلام سے زیادہ دنیا میں کسی مذہب نے عورت کی حمایت نہیں کی۔ اگر منہ پر آنکھیں موجود ہوں اور پہلو میں دل ہو تو مسلمان ذرا ان بیوہ عورتوں کی حالت دیکھیں جن کو مردوں کے مظالم نے دنیا کی ہر نعمت سے محروم کر دیا ہے۔"(۴)

میر انیس نے ہندوستانی تہذیب کو بڑی خوبصورتی سے مرثیوں کا پس منظر بنایا ہے۔ ان کے ہاں ہندوستانی تہذیب کا اثر مرد و عورت دونوں کرداروں میں دیکھا جا سکتا ہے مگر اس کی زیادہ گہری عکاسی عورتوں کے کرداروں سے ہوتی ہے۔ نسوانی کرداروں کے لب و لہجے، رسوم و رواج، پیار و محبت، گلے شکوے اور خاندانی زندگی کی دلکشی یہ تمام خصوصیات ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کرتی ہیں۔

مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں
ندی لہو سی چاند سی چھاتی سے بہہ گئی
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی رہ گئی

بیگم صالحہ عابد حسین لکھتی ہیں:

"انیس کا کلام تو ایک بحر بیکراں ہے! پڑھتے جایئے اور جواہر ملتے جائیں گے۔ خاص طور پر ہندوستانی تہذیب کے یہ نمونے تو آپ کو ہر مرثیے میں ملیں گے۔ کہیں پورے تہذیبی منظر میں، کہیں مردوں کے کردار میں عورتوں کے جذبات میں، بچوں کی بول چال میں۔ اردو زبان کو انیس نے لاکھوں الفاظ اور محاوروں وغیرہ کا انمول خزانہ ہی نہیں دیا، ہندوستانی تہذیب کے یہ عناصر بھی انیس کے کلام کا زیور ہیں، ان کی بڑی دین ہے جس سے اردو زبان کبھی سر نہیں اٹھا سکتی۔" (۵)

رشید جہاں اردو کی پہلی افسانہ نگار خاتون تھیں جنہوں نے دلیرانہ طریقے سے سماج کے ان پہلوؤں کو عریاں کیا جن کو ڈھکا چھپا کر رکھا جاتا تھا۔ وہ پہلی قلم کار تھیں جنہوں نے ایک باغی دل و دماغ رکھنے والی عورت کو پیش کیا جس کی روح و ہمت آخر تک شکست قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ شاہد نقوی رشید جہاں کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"سچ پوچھیے تو اُردو میں سماجی اور انقلابی حقیقت نگاری کے امام اگر پریم چند تھے تو اس روایت کو آگے بڑھانے اور مستحکم کرنے میں رشید جہاں کے کردار کو نظر انداز کرنا ناممکن ہو گا۔" (۶)

بانو قدسیہ کا شمار اردو کی معتبر ناول نگار خواتین میں ہوتا ہے۔ بانو قدسیہ نے اپنے ناولوں میں نوجوان نسل کی ذہنی و جذباتی پیچیدگیوں اور روحانی اضطراب کو موضوع بنایا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جو معاشرہ پروان چڑھا اس کی بنیاد مادیت پر رکھی گئی۔ سرمایہ دار طبقہ نے مادہ پرستی اور ظاہری آرائش کے رجحان کو فروغ دیا جس کے نتیجے میں نوجوان نسل میں روحانی اضطراب اور کشمکش کی کیفیت پیدا ہوئی۔ بانو قدسیہ کے ناولوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عقیلہ جاوید رقم طراز ہیں:

"بانو قدسیہ اپنے ناولوں میں انسان کی تخلیق اس کے ذہنی و فکری ارتقائی، اس کی جنسی نفسیات، اس کی تہذیب و مذہب اور تصوف کے حوالوں سے کائنات میں اس کے مقام سے بحث کرتی ہیں۔ بانو قدسیہ کو اپنے معاشرے، تہذیب اور گرد و پیش کی زندگی خصوصاً اپنی صنف یعنی طبقہ نسواں کے مسائل و حالات سے صرف دلچسپی ہی نہیں بلکہ گہری محبت ہے۔ چنانچہ وہ انہی میں سے اپنے کردار، مکالمے، پلاٹ، موضوعات، موضوعات کی جزئیات اخذ کرتی ہیں اور انہیں اپنے آدرش میں سمو کر دلکش اور نظر گیر بنا کر معاشرے کو ناول کی شکل میں واپس کر دیتی ہیں۔" (۷)

عصمت چغتائی کا نام اپنے نسائی شعور کی وجہ سے اہم ہے۔ انہوں نے معاشرے میں عورت کی حیثیت کو مسخ کرنے والی لاتعداد روایتوں اور رواجوں کو سمجھا ہے۔ تنویر انجم اس حوالے سے لکھتے ہیں:

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

"ہمیں عصمت کے افسانوں میں پس منظر میں بہت زیادہ تنوع نظر آتا ہے۔ کہیں جاگیر داری نظام میں ان کے کردار بغاوت کرتے نظر آتے ہیں اور کہیں جدید زمانے کی لڑکیاں سڑکوں پر گھومتی ملتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں باندیاں بھی ہیں، طوائفیں بھی، غربت کی ماری مہترانیاں بھی اور دولت کا لطف اٹھاتی آزاد بیویاں بھی۔ عصمت چغتائی نے نہ صرف مختلف طبقوں کے بارے میں لکھا اور شہروں اور دیہاتوں کے پس منظر کو استعمال کیا بلکہ مختلف معاشی نظاموں کو بھی کھنگالا۔"(۸)

ترنم ریاض کے افسانے کشمیری ثقافت کا رزمیہ ہیں۔ ان کے افسانے وادی کی بانجھ فضاؤں اور گم شدہ صداؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ بے بسی اور بربادی کے جو سانحات گزرے ہیں انہوں نے رفتہ رفتہ خواتین میں احساسِ محرومی اور عدم تحفظ کو جنم دیا جس نے کشمیری لڑکیوں سے جینے کی تڑپ اور جدوجہد کے امکانات بھی چھین لیے۔ ترنم ریاض نے کہانی "مجسمہ" میں اس کا احساس دلایا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"جیسے کسی ایسی بیمار لڑکی کی مورت جو کھڑی رہنے سے تھک کر ذرا سا میز پر بیٹھ گئی ہو۔ سوکھی لکڑی سے ہاتھ پاؤں، گڑھوں میں دھنسی آنکھیں۔ عظمیٰ نے یہ مجسمہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عظمیٰ سوچنے لگی کس قدر عظیم فن پارہ۔۔۔ کسی بلند درجہ فن کار کا بنایا ہوا مجسمہ۔۔۔ وہاں کی ادھیڑ عمر کنواریوں کا ہو بہو عکس۔" (۹)

ترنم ریاض نے ایک مجسمے میں پوری نسائیت کی ٹریجڈی کا زہر بھر دیا ہے۔ وادی کی صحت مند خوبصورت لڑکیاں ان نوجوانوں کے انتظار میں جو لشکر اور دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بنے، بیٹھی بیٹھی ادھیڑ عمر کی لاغر سوکھی ماری کنواریاں بن چکی ہیں۔ ترنم ریاض اردو افسانے کی منفرد آواز ہیں۔ انہوں نے کمال مہارت سے کشمیر کی تہذیب و ثقافت اور روایات کی حسین اور دلکش تصاویر پیش کی ہیں۔ ان کے افسانوں کا مطالعہ کریں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم کشمیر کی سرزمین پر محو سفر ہیں۔ پہاڑوں کے درمیان بل کھاتی پگڈنڈیاں، سبزہ زاروں میں اخروٹ توڑتی کشمیری خواتین اور اپنے مخصوص لباس میں چاندی کے زیورات سے لدی مخصوص لباس میں چاندی کے زیورات سے لدی علاقائی گیت گاتی، کشمیری لڑکیاں، سلیمان اطہر جاوید ترنم ریاض کے افسانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جو چیز قدر مشترک کے طور پر یا زیادہ تر افسانوں میں جو کیفیت اور فضا ملتی ہے وہ کشمیر کی زندگی ہے۔ کشمیر کی روزانہ زندگی، وہاں کی سردیاں، لباس، غذائیں، مقامات، راستے، موڑ، لوگ، ان کی زبان، لہجہ، دلچسپیاں اور بہت کچھ۔۔۔ وہ لوگ جو کشمیر کی زندگی سے کچھ بھی واقف نہیں وہ بھی ان افسانوں کو پڑھ کر کشمیر کی تہذیب و معاشرت اور حسن فطرت سے بخوبی متعارف ہو جاتے ہیں۔" (۱۰)

ایک زمانہ تھا کہ غزل پر فارسی اثرات اس قدر زیادہ تھے کہ محمد حسین آزاد کے بقول اردو غزلیہ شاعری فارسی کے پروں سے اڑتی ہے۔ مگر آج کی غزل اپنے مزاج کے اعتبار سے غنائی اور داخلی رجحانات رکھتی ہے۔ اردو شاعری نے جدیدیت، مابعد جدیدیت اور دوسرے تمام نظریات کو قبول کیا ہے۔ آج کی شاعری میں ہمیں نسائی شعور بھی بڑا جاندار دکھائی دیتا ہے۔ بیسویں صدی کے نصف اول کے بعد سے جب ہندوستان میں تانیثیت نے زور پکڑا تو اس کے اثرات اردو شاعری میں بھی شدومد سے دکھائی دینے لگے۔ پرانی علامتوں کی جگہ نت نئی علامتوں کا استعمال بھی اسی دوران تیزی سے عمل میں آیا اور ان کی حیثیت بھی عالمگیر ہونا شروع ہو گئی۔ اسی ضمن میں ڈاکٹر مظفر حنفی لکھتے ہیں:

"آج کی غزل میں ہندوستانی اساطیر، تاریخی واقعات، دیہات کے مناظر، مقامی حالات، جغرافیائی اثرات سے لے کر موجودہ ترقی پذیر مشینی نظام تک ہندوستانی زندگی کے سبھی پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے۔ ماحول و معاشرت، تہذیب و تمدن، رسوم و عقائد، رہن سہن، توہمات و عقائد، زیورات و ملبوسات، دیومالائی اثرات اور مقامات کی جھلکیاں نئے شاعروں کے اشعار میں نظر آتی ہیں۔ انہیں پہلی نگاہ میں دیکھ کر ہندوستان سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔" (۲)

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

فہمیدہ ریاض وہ پہلی نظریاتی اور جدید شاعرہ ہے جس میں ایک انقلابی روح کروٹ لے رہی ہے۔ ستم ہائے روزگار کے سامنے ہتھیار ڈال دینا یا شکست خوردہ ہو کر آہ وفغاں کرنا اس کا شیوہ نہیں۔ زمین کے ساتھ محبت اس کی تخلیقی شخصیت کا بنیادی جزو ہے۔ وہ سندھ کی سرزمین کے ساتھ گہری وابستگی محسوس کرتی ہیں۔ سندھ کے دیہاتوں اور طرز معاشرت، یہاں کی زبان اور اس کی یگانگت نہایت استوار ہے۔ خالدہ حسین ان کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:

> "وہ اس زمین کے لوک ورثہ اور اپنے پرکھوں کی بولی ٹھولی اور صدیوں کی ہند اسلامی تہذیبی روایت کے امتزاج سے وہ نرم گرم زبان دریافت کرنا چاہتی ہے جو شاعری کو حیات و دوام بخش دے۔" (۱۲)

قدیم عورت شاعری کی دنیا سے دور رہی لیکن جیسے جیسے سوسائٹی میں تبدیلی آئی عورت کی سوچ اور فکر میں بھی تبدیلی آئی اور اس نے اپنی تحریروں اور تخلیقوں سے ادب کی دنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔ سرمایہ دارانہ نظام میں عورت کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا، طوائفوں کے رویوں کو وہ چھپاتی رہی مگر اب آزادی کی لڑائی میں شامل ہو کر کارکردگی پر اُتر آئی ہے۔ اب وہ سماجی آزادی کے ساتھ ساتھ سیاسی آزادی کی خواہش مند ہے۔ یہ جذبہ، یہ نئی فکر اور نئے راستے فہمیدہ ریاض کی نظموں میں دکھائی دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ مردانہ سماج کے لیے ایک انتباہ اور چیتاؤنی بھی بنتے ہیں۔ طاہرہ پروین اس حوالے سے فرماتی ہیں کہ:

> "فہمیدہ ریاض نے عورت کے استحصال کا بھرپور جواب اپنی شاعری کے ذریعے دیا ہے کہ اس نظام میں عورت کو اس کا حق جب ہی مل سکتا ہے جب یہ نظام بدلے گا اور خود جب تک عورت کی سوچ اور فکر میں تبدیلی نہیں آتی تب تک عورت اس نابرابری کے معاشی نظام اور استحصال کا شکار بنی رہے گی۔" (۱۳)

کشور ناہید صنفی شعور کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے مجموعہ کلام "بے نام مسافت" میں ہمیں ایک اداس اور دل شکستہ عورت کا اشکوں سے بھیگا چہرہ نظر آتا ہے اور ایسی آواز سنائی دیتی جو صرف ایک عورت کے دل سے ابھر سکتی ہے۔ کشور کی کتاب گلیاں، دھوپ، دروازے عصری نسائی آگہی کا نچوڑ ہے۔ اسے مکمل فیمنسٹ مجموعہ کلام کہا جا سکتا ہے۔ جس کا پورا فوکس عورت کے ساتھ سماج کی بد سلوکی تھا۔ اس کتاب میں کشور نے "غم ذات کا رشتہ" "غم دوراں" سے پوری طرح سے موڑ کر اسے ایک وسیع تر پس منظر میں دیکھا تھا اور اس کا پرسوز اظہار کیا تھا۔

زاہدہ خاتون شروانیہ بیسویں صدی کے اوائل میں ایسی خاتون ہیں جو بحیثیت شاعر فی الواقع بلند مقام پر فائز ہیں اور گردوپیش کی سیاسی و سماجی زندگی کے بارے میں اپنی باغیانہ سوچ کو نہایت دردمندی اور تہہ داری کے ساتھ شاعری میں پیش کرتی ہیں۔ انہوں نے مزدور، قید فرنگ اور خواتین کے مسائل پر نظمیں لکھیں۔

پروین شاکر کی شاعری تانیثی لب و لہجہ کی عکاس ہے۔ پروین شاکر نے بھی جبر و منافقت اور سماجی استحصال کے خلاف قلم اٹھایا۔ مردوں کے اس معاشرے میں پروین کے لہجے کا درد شدید معاشرتی استبداد کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر اپنی روایت شکنی اور باغی سوچ کے باوجود وہ ہمیں روایتی عورت کے روپ میں ہی دکھائی دیتی ہیں جو چاروں طرف سے سماجی بندھنوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ پروین شاکر نے عصری حقائق کی نئی معنویت کو سادگی اور دانشمندی سے ایک نغمے کی طرح گنگنا دیا ہے۔

الغرض تانیثی شعور کی حامل ہماری ادیباؤں اور شاعرات نے فن کی نزاکتوں اور لطافتوں کے ساتھ ادب کو معاشرتی، سماجی مسائل اور ثقافتی سرگرمیوں کا آئینہ دار بنایا۔ انہوں نے اپنے منفرد اسلوب کے ساتھ مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر نئے نئے موضوعات کا احاطہ کیا۔ ملک کی علاقائی، طبقاتی کشمکش، افلاس، سماجی انتشار، قومی اتحاد، بے روزگاری، فرقہ پرستی، رجعت پسندی اور بین الاقوامی سیاسی رسہ کشی جیسے کتنے ہی موضوعات ادب کا حصہ بنے۔ آج خواتین ہر سماجی حقیقت کا اظہار بلا کم و کاست کر رہی ہیں۔ ان کے ہاں اگر ایک طرف گھریلو گھٹن کا احساس ہے تو دوسری طرف سیاسی و سماجی بے اطمینانی اور قدروں کی شکست و ریخت کا اظہار بھی۔ خواتین کی تخلیقی حسیت کا جائزہ ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ عورت نے بہ حیثیت قلم کار خود کو دریافت کر لیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عابد حسین، سید، ڈاکٹر، مشترک ہندوستانی تہذیب، مشمولہ اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب، مرتبہ ڈاکٹر کامل قریشی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص:۱۰

۲۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، عورت، تشخص اور تخلیقی تناظر مشمولہ فنون لاہور، جولائی ۱۹۹۸ء تا مارچ ۱۹۹۹ء، ص:۵۷

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

۳۔ صغریٰ مہدی، اردو ناول میں عورت کی سماجی حیثیت، مشمولہ فیمینزم اور ہم مرتبہ فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص:۵۲
۴۔ راشد الخیری، علامہ، نوحہ زندگی، عصمت بک ڈپو، دہلی، ۱۹۴۳ء، ص:۸۲
۵۔ صالحہ عابد حسین، بیگم، کلام انیس میں ہندوستانی تہذیب، مشمولہ مشترکہ ہندوستانی تہذیب مرتبہ ڈاکٹر کامل قریشی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص:۱۷۹
۶۔ شاہد نقوی، ڈاکٹر رشید جہاں مشمولہ فیمینزم اور ہم مرتبہ فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص:۱۱۲
۷۔ عقیلہ جاوید، ڈاکٹر، اردو ناول میں تانیثیت، مرید پرنٹنگ پریس، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص:۲۴۱-۲۴۲
۸۔ تنویر انجم، عصمت چغتائی کا نسائی شعور، مشمولہ فیمینزم اور ہم، مرتبہ فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص:۱۱۹
۹۔ ترنم ریاض، مجسمہ مشمولہ یمبرزل، نرالی دنیا پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۴ء، ص:۹۴
۱۰۔ سلیمان اطہر جاوید، ترنم ریاض کی افسانہ نگاری، مشمولہ شعر و حکمت، کتاب:۸، دورِ سوم، مکتبہ شعر و حکمت، سوماجی گدھا، حیدرآباد، انڈیا، دسمبر ۲۰۰۶ء، ص:۳۷۱
۱۱۔ مظفر حنفی، ڈاکٹر، اردو شاعری میں ہندوستانیت (نئی غزل کے خصوصی حوالے سے ایک مطالعہ) مشمولہ اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب، مرتبہ ڈاکٹر کامل قریشی، اردو اکادمی، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص:۳۱۵
۱۲۔ خالدہ حسین، نسائی خود شناسی اور فہمیدہ ریاض مشمولہ فیمینزم اور ہم مرتبہ فاطمہ حسن، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۵ء، ص:۱۹۱
۱۳۔ طاہرہ پروین، ڈاکٹر، جدید شاعرات اردو: نئی فکر اور نئے راستے، سرسوتی آفسٹ، الہ آباد، ۲۰۰۵ء، ص:۴۹